پیامِ قرآن کی پیش کش

حضرت موسیٰؑ کے گھونسے سے ایک قبطی کی اتفاقی ہلاکت

کیا یہ واقعہ عصمت و معصومیتِ انبیاء کے منافی ہے؟

ایک جدید مفسر کے موقف کا جائزہ

اس کتابچے کا مقصد

اس کتابچے میں عصمتِ انبیاء کی آڑھ لے کر تحریفِ قرآن کی ایک کوشش کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ کہ کس طرح حق میں باطل کی ملاوٹ کی جارہی ہے۔ اور یہ سب کام ایک مفسر صاحب بہت "نیک نیتی" سے کر رہے ہیں (مفسر صاحب کا نام ظاہر نہیں کیا جارہا)۔ مگر ان کی اس سعی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کتاب اللہ کی آیات نعوذ باللہ موم کی ناک بن کر رہ جائیں گی کہ جس کا جدھر دل کرے گا پھیر لے گا۔ جو مفہوم چاہے گا قرآنی آیات میں سے بر آمد کر لے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید مفسرین و محدثین کی "جاہلیت" کا رونا بھی روتا رہے گا کہ وہ لوگ قرآن کو سمجھ نہ سکے۔ اور کتاب اللہ پہ ظلمِ عظیم کرتے۔

کتابچے کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں مفسر صاحب کی ان بد دیانتیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے جو انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں ہونے والے قبطی کے قتلِ خطا کے قرآنی واقعے کے سلسلے میں قرآنی الفاظ کا لغوی مفہوم متعین کرنے میں کی ہیں اور دوسرے حصے میں عصمتِ انبیاء اور دیگر متعلقہ مباحث قرآن کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور مفسر صاحب کے موقف کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

حصہ اول

مفسر صاحب کی طرف سے پیش کردہ لغوی مغالطے

از

محمد شعیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾

اور یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (خدا) کی اُتاری ہوئی ہے۔

یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جو کوئی قرآن پاک میں تحریف کرنے کی کوشش کرتا ہے، خود قرآن ہی اس کی یہ کوشش ناکام بنا دیتا ہے۔ اور شخص کو اپنا جھوٹا موقف قرآن سے ثابت کرنے کے لیے سو سو پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں مگر پھر بھی اس کا باطل نظریہ حق کے اندر ملاوٹ کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ ایک جدید مفسر نے بھی اسی طرح کی ایک کوشش عصمتِ انبیاء کے نام پر کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کے بیان کردہ ایک سیدھے سادے اور واضح واقعے کو مروڑ تروڑ کر اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مفسر صاحب فرماتے ہیں:

چند سال قبل مجھے موسیٰؑ علیہ السلام کی داستان میں (رجلین یقتتلن) کے مقام پر الجھاؤ نظر آیا، تو کئی تفاسیر اور ترجمے دیکھنے کے بعد بھی خلش دور نہیں ہوئی۔ تو میں نے اپنے جاننے

والے علماء حضرات سے اس کا ذکر کیا کہ مجھے یہ کڑوی گولی ہضم نہیں ہو رہی ہے کہ ایک ایسی شخصیت جن کے سر پر نبوت کا تاج جگمگا رہا ہو وہ ایک معمولی سے واقعہ پر بلا سوچے سمجھے، تحقیق کئے دوسرے انسان کو جان سے مار ڈالے؟ میں تحقیق میں لگا ہوں،انشا اللہ ثابت ہو کر رہے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دامن خون آلودہ نہیں ہے۔

یعنی مفسر صاحب کو قرآن کے بیان پر اعتبار نہیں اور انہوں نے ذاتی طور پر یہ ذہن بنالیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو "بے قصور" ثابت کر کے ہی چھوڑیں گے۔ پھر مفسر صاحب نے جس طرح اپنا موقف ثابت کیا اس کے چیدہ چیدہ نکات جو کہ ہمارے مضمون سے تعلق رکھتے ہیں، پیش کیے جاتے ہیں۔ پھر ان پر تبصرہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔واذکر فی الکتٰب موسیٰ۔ اور اے نبی اس کتاب میں داستان موسیٰ پڑھ۔ انہ کان مخلصاًو کان رسولاً نبیا(19/51) وہ بڑا مخلص انسان اور ہمارا بھیجا ہوا نبی تھا۔جب شیطان نے کہا میں اہل زمین کو گنا ہوں کا راستہ مزین کر دکھاؤں گا ،اُنہیں بہکاؤں گا۔اللہ نے کہا۔ان عبادی لیس لك علیھم سلطان (15/41-42) جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کوئی قدرت حاصل نہیں ہو گی۔۔۔اور شیطان نے اعتراف بھی کیا ہے کہ میں گمراہ کروں گا لیکن الا عبادك المخلصین (38/83)سوا اُن کے جو تیرے خاص مخلص بندے ہیں۔

مذکورہ بالا مکالمات و آیات سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کا مخلص فرستادہ نبی اور رسول تھا ،اور مخلص بندے شیطانی افعال کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے ۔۔۔۔۔۔

بنی اسرائیل کے پیغمبر شفاعت سے معذوری کا اظہار کریں گے وجہ یہ بتائیں گے کہ ان کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہوا اور قتل تو گناہ عظیم ہے۔اللہ کا فرمان ہے:

ومن قتل نفسًا بغیر نفسٍ او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً(32/5) جس کسی نے کسی کو ناحق قتل کیا بغیر کسی جان کے بدلے جان کے یا فساد فی الارض کے اس نے گویا تمام انسانیت کو قتل کیا۔یہ الگ بحث ہے کہ یہ قتل عمد ہے یا قتل خطا۔جرم قتل کی تین اقسام ہیں۔جنح، جنایۃ، اور حادثاتی قتل۔قتل عمد یعنی قتل بالارادہ مع صلاح متکافی۔کسی کو ارادہ قتل کے ساتھ مار ڈالنا کافی اسلحہ کے ساتھ۔جس کی سزا ہمارے ہاں سزائے موت یا عمر قید دی جاتی ہے۔(۲) قتل بلا ارادہ علیٰ صلاح غیر متکافی۔بغیر ارادہ کے ناکافی چیز سے کسی کو مارنا جس سے اس کی موت واقع ہو جائے۔جیسے زید نے بکر کے سر پر وار کیا لکڑی کے تختے سے جس میں میخیں تھیں جس سے بکر کی موت واقع ہوئی جس کی سزا مختلف ممالک میں مختلف ہے۔تیسرا قتل ہے ''قتل الخطا'' جس کے کئی اقسام ہیں ایکسیڈنٹ بھی قتل خطا کے زمرے میں آتا ہے۔یعنی حادثے کے سبب موت۔جس میں اکثر قاتل اور مقتول ایک دوسرے کو پہچانتے بھی نہیں حضرت موسیٰؑ سے جو قتل منسوب ہے وہ نہ تو قتل خطا ہے نہ قتل عمد بلکہ بدون ارادہ قتل علیٰ صلاح غیر متکافی۔ہے۔کیونکہ بنا علیٰ مفسرین حضرت موسیٰؑ قبطی کی طرف پیار کرنے نہیں بڑھے تھے بلکہ مکہ مارنے بڑھے تھے۔مکہ مارا اور قبطی کو لمبا لٹا دیا۔یہ فعل کسی جلیل القدر پیغمبر کے شایان شان نہیں،موسیٰؑ کوئی آزاد قبائلی نہ تھا کہ نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ بغیر تحقیق کے قبطی کو جان سے مار ڈالا۔آیت کریمہ یوں ہے۔**ودخل المدینۃ علی حین "غفلۃٍ" من اھلھا فوجد فیھا رجلین یقتتلٰن**(15/28) وہ شہر میں داخل ہوا جبکہ شہری غافل تھے۔تو اس نے دو آدمیوں کو لڑتے پایا (واضح رہے کہ قرآن

کریم کسی قصے کی باریکیاں بیان نہیں کرتا)بلکہ قصہ سے واقف اشخاص خود ہی بہ آسانی تمام کڑیاں ملا دیتے ہیں۔مثلاً آیت مذکورہ بالا میں "غفلة" کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ یا تو پوپھٹنے کا وقت ہوگا یا رات ہوگی یا تپتی دوپہر ہوگی یعنی لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے ابھی نکلے نہ تھے،بازاروں میں چہل پہل نہ تھی۔رجلین یقتتلٰن کا ہر مترجم و مفسر نے لڑنا جھگڑنا کیا ہے۔یہ اس لئے کہ عربی زبان میں قتل صرف مار ڈالنے کو نہیں کہتے لڑنے جھگڑنے،جنگ و جدل کو بھی قتل کہتے ہیں۔مثلاً۔کتب علیکم القتال (2/216)کا ترجمہ ہر ایک نے یہی کیا ہے کہ اے مسلمانوں دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگوں میں شرکت تم پر فرض کی گئی ہے۔قتال کا یہ معنی نہیں کہ تلوار دوسرے کے پیٹ میں گھونپ دو قتل عام کرتے پھرو۔ جنگوں میں کوئی امن طلب کرے صلح کی درخواست کرے تو اسے قتل نہیں کیا جاتا۔یہ دیکھئے کہ کبھی کوئی نبی قتل نہیں ہوامگر قرآن کریم کہتا ہے۔ویقتلون النبین بغیرالحق(2/61)اور وہ نبیوں کو بلا وجہ(ناحق) قتل کر دیا کرتے تھے۔یہاں قتل کے معنی ہیں زدو کوب کرنا ،تکلیف پہنچانا ، اذیت دینا لڑنا جھگڑنا وغیرہ اور نبیوں کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا ، مگر جسے ہم اردو میں قتل کہتے ہیں یعنی جان سے مار ڈالناویسے کوئی نبی قتل نہیں ہوا۔(مفسر صاحب نے حوالہ نہیں دیا کہ ان کو یہ اطلاع کہاں سے ملی کہ کوئی نبی قتل نہیں ہوا) قرآن میں ہے۔ وانطآئفتٰن من المؤمنین اقتتلوا فا صلحوا بینھما(۴۹/۹)اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں قتل کریں تو ان کی آپس میں صلح کرا دو۔تو قتل کے بعد صلح کیسی؟اس لئے ہر مترجم نے اقتتلوا کا ترجمہ (لڑپڑیں)کیا ہے۔احزاب کی آیت(16)میں اللہ نے قتل اور موت کا فرق بیان کیا ہے۔فرمایا۔قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او قتل۔یعنی اگر تم غزوات میں موت یا قتل سے فرار ہونا چاہتے ہو تو کوئی فائدہ

نہیں۔اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ قتل سے آدمی زندہ بھی رہ سکتا ہے مگر موت کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔اور قتال یعنی جنگ میں آدمی مر بھی سکتاہے۔اس کے علاوہ بھی عربی لغات میں قتل کے معنی ہیں۔مثلاًBeat کم کرنا گھٹانا "قتل الجوع" بھوک کی شدت کو کم کرنا۔مارنا ، زور و کوب کرنا ،شکست دینا ،سبقت لے جانا،غالب آنا سر کھپانا، دماغ سوزی کرنا قتلہ (Thrash) ہرانا ، مغلوب کرنا، پیٹنا،کوڑے لگانا، چھان بین کرنا،غور کرنا،مقتل کے معنی قتل گاہ نہیں بلکہ(Bettle field)میدان کار زار ہے۔اور اس کے معنی ذلیل کرنا ، حقیر کرنا، جھکانا بھی ہے(لغات القرآن صفحہ1328)

لہٰذا قرآن کریم میں جہاں کہیں قتل کا لفظ آئے گا ہر جگہ اس کے معنی مار ڈالنے کے نہیں لئے جائیں گے، سیاق و سباق کے اعتبار سے اس کے معنی متعین کئے جائیں گے۔مثلاً ولا تقتلوا اولادکم من املاك (151/6)میں قتل اولاد سے مراد یہ بھی ہے کہ اپنی اولاد کو تعلیم و تربیت سے اور علم آگہی سے محروم مت رکھو۔خلاصہ یہ کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں قتل کا لفظ آئے گا ہر جگہ اس کے معنی مار ڈالنے کے نہیں لئے جائیں گے سیاق و سباق کے اعتبار سے اس کے معنی کہیں مارڈالنا، ذلیل و خوار کرنا، بے اثر کرنا،تباہ و برباد کرنا،علم سے محروم رکھنا وغیرہ وغیرہ۔اگر فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرتا توہزاروں بنی اسرائیلیوں کوموسیٰؑ بچاکر کیسے لے جاتا اور آج دنیا میں ایک یہودی نہ ہوتا ، مگر فرعون ان میں جو ہر مردانگی ختم کر رہا تھا ، انہیں غلام بنا رکھا تھا ، ان سے حقیر کام کرواتا تھا۔

اب آگے بڑھتے ہیں۔۔۔۔۔موسیٰؑ علیہ السلام نے دو آدمیوں کو لڑتے پایا ان میں سے ایک قومِ موسیٰؑ کا فرد تھا دوسرا دشمن قوم کا فرد قبطی تھا۔موسیٰؑ کے قوم والے نے حضرت

موسیٰؑ سے مدد مانگی تو موسیٰؑ نے آکر دوسرے کو مکہ مار کر اس کا کام تمام کر دیا، پھر فرط تاسف سے کہنے لگے یہ میں نے کیا کیا۔ قال ھذا من عمل شیطان(15/28) یہ تو شیطانی عمل ہے ،وہ یقینا کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے۔آیت کے مروجہ ترجمہ اور تفسیر کے مطابق ثابت ہوا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر شیطان کا وار چل گیا۔ان سے قبطی کا قتل ہو گیا اس طرح اللہ کا یہ کہنا کہ۔ ان عبادی لیس لك علیھم سلطان(42/15) میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا۔اور موسیٰ میرا خاص بندہ ہے(51/19) اور شیطان کا یہ اعتراف الا عبادك منھم المخلصین (40/15) صرف تیرے مخلص بندے ان میں سے محفوظ رہیں گے۔یہ سب کچھ غلط ثابت ہوا؟

یہ تو قرآن کریم پر الزام ہے ، افتراہے بہتان ہے۔اللہ تبارک و تعالیٰ موسیٰؑ کے متعلق فرماتا ہے۔ولما بلغ اشدہ واستوٰی اتینٰہ حکماً وعلماً (14/28)جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچا، توانا ہوا،تو ہم نے اسے علم و حکمت سے نوازا ، کیا یہی تھا وہ علم و حکمت کہ آیا اور بغیر تحقیق کے آدمی کو مکہ مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔یہ توقع تو ایک عام آدمی سے بھی نہیں رکھی جاتی چہ جائیکہ علم و حکمت کا پیکر ایک جلیل القدر پیغمبر۔ انہیں چاہیے تھا کہ دونوں کو علیحدہ کرتے پھر ان کا بیان سنتے پھر فیصلہ سناتے اور دونوں کو سمجھاتے کہ لڑنا جھگڑنا بھلے لوگوں کا کام نہیں ہے۔ہوا بھی ایسا ہی وضاحت آگے آئے گی۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔آیت میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے"وکزہ موسیٰ"جس کا ترجمہ ہمارے ہاں عام طور پر مترجمین نے مکہ کے لئے ہیں، حالانکہ اس کے معنی ہیں موسیٰؑ نے پیچھے دھکیلا(لغات لقرآن صفحہ 1737) عربی قوامیس میں مٹھی کے علاوہ

پیچھے ہٹانا(TO DRIVE BACK) دھکا دینا،پسپا کرنا (Thrash To) زور سے دھکیلنا نیزہ گھونپنا بھی ہے۔فلہٰذا موسیٰؑ جیسے فہم و فراست کے مالک نے یہی کیا،کہ مدد کے لئے بلانے پر نزدیک گئے اور سب سے پہلے "وکزہ"" انہیں چھڑایا زیادتی کرنے والے کو پیچھے دھکیلا اگلا لفظ ہے۔ فقضی علیہ۔عام طور پر اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ موسیٰؑ نے اسے ختم کر دیا۔ موسیٰؑ کے ہاتھوں اس کی قضاآئی۔ فقضی علیہ کا ترجمہ تاج العروس نے مضبوط اور محکم فیصلہ کرنا کیا ہے۔دونوں کو جدا کیا فیصلہ کیا (تاج العروس صفحہ 1372)قرآن کریم میں ہے اذا قضیٰ امراً (117/2) جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے۔و قضینا الیہ(66/15)کے معنی ہیں ہم نے اسے وحی کے ذریعے قطعی فیصلہ بتا دیا۔سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے۔قضینا الیٰ بنی اسرآئیل فی الکتاب (4/17) اور ہم نے بنی اسرائیل کو فیصلہ بذریعہ وحی (کتاب)بھیج دیا۔لہٰذا فقضی علیہ کے معنی ہوئے۔موسیٰ نے اس کے خلاف فیصلہ صادر کیا۔یہ سب اس نے روداد سننے کے بعد ہی کیا۔اگر آتے کے ساتھ ہی موسیٰؑ نے مکہ مار کر اسے ہلاک کیا پھر کیسی قضاعت کیسا فیصلہ۔قاموس العصری (الیاس انطون الیاس)نے قضیٰ کا ترجمہ(DECIDE) لکھا ہے اور TO SATISTY TO MAKE NECESSARY JUDGMENTاس نے قبطی کے خلاف لازمی کاروائی کی اور اس سے کہا ھذا عمل الشیطان یہ شیطانی فعل ہے جو تم کر رہے ہو۔مگر ہمارے مترجمین لکھتے ہیں کہ موسیٰ نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ تو شیطانی فعل مجھ سے سرزد ہوا۔

اصل بات یہ تھی کہ فرعون ابتدا سے ہی موسیٰؑ کو ناپسند کرتا تھااس کے خدو خال سے پتہ چلتا تھا کہ یہ دشمن قوم بنی اسرائیل کا بچہ ہے ، مگر فطرت نسوانی کام آئی فرعون کی

بیوی جو بڑی ہی نیک سیرت خاتون تھی قرآن بھی اس کی شہادت دیتا ہے، اس نے موسیٰ کو گود لے لیا وہ اس پر بڑی مہربان تھی۔اِدھر موسیٰؑ کو بھی مقبولیت ملی۔ فرعون موسیٰؑ پر بلا سبب ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا بدنامی کے علاوہ اس کے اور اس کی بیوی کے مابین ناچاقی پیدا ہو جاتی۔تب اس کے شاطرانہ دماغ نے یہ منصوبہ ترتیب دیا کہ اپنے آدمی سے کہا کہ جہاں موسیٰ کو آتے دیکھو کسی بنی اسرائیلی کو مارنا پیٹنا شروع کر دو۔موسیٰ کا دل ضرور پسیجے گا یہ کچھ نہ کچھ حرکت ضرور کرے گا اس جرم میں ہم موسیٰ کو سزا دیں گے قتل کر دینگے یا ابعاد من البلاد(DEPORT) کر دیں گے۔ (مفسر صاحب کی ذہنی اختراع!)

دوسرے دن کا واقعہ اسکی تصدیق کرتا ہے۔**فاصبح فی المدینہ خائفاً**(18/28) صبح موسیٰ ڈرتے ڈرتے شہر میں داخل ہوئے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کل کے واقعے کا شہر میں کیا ردعمل ظاہر ہوا۔اس نے دیکھا کہ وہی شخص جو کل مار کھا رہا تھا آج بھی مار کھا رہا ہے اور مدد طلب کر رہا ہے۔

موسیٰؑ نے کہا تو تو **لغو مبین** (18/28)صریح گمراہ غلط کار ہے۔مترجمین کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ موسیٰؑ نے اپنے آدمی سے کہا۔جو بیچارہ کل بھی مار کھا رہا تھا اور آج بھی کھا رہا ہے۔موسیٰؑ اس سے ایسا کہے کہ تو تو بڑا گمراہ ہے۔۔۔

اسے کہتے ہیں مرے پہ سو درّے۔ایک تو وہ دشمن سے مار کھا رہا ہے اپنا سردار نظر آیا تو وہ بھی اسے ڈانٹے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ پھر یہ ملاحظہ ہو کہ بُرا بھلا اپنے آدمی سے کہہ رہا ہے اور ہاتھ کس کی طرف بڑھا رہا ہے۔قرآن میں ہے کہ **فلما ان اراد ان یبطش** جب موسیٰ نے ارادہ کیا ہاتھ بڑھانے کا **بالذی ھوا** اس کی طرف جو کہ **عدولھما** ان دونوں کا

دشمن تھا، یعنی موسیٰ کا اور مار کھانے والے بنی اسرائیلی کا (اگر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو یہ کلمات کہ تو سراسر گمراہ ہے اسی کو مخاطب کر کے کہے ہوں گے) یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ڈانٹ ایک کو رہا ہو اور ہاتھ دوسرے کی طرف بڑھا رہا ہو۔جب موسیٰ نے مار کھانے والے کے دشمن کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اپنا بندہ چیخ اٹھا۔قال یاموسیٰ اتریدان تقتلنی ۔اے موسیٰ تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو۔اگر ہاتھ دشمن کی طرف بڑھا تو اپنا آدمی کیوں چلّایا کہ تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو کما قتلت نفسا بالامس (19/28) جیسے کہ تم نے گزشتہ روز ایک کو قتل کیا۔

قارئین کرام کل کی واردات کا علم تو موسیٰؑ کے علاوہ صرف دو اشخاص کو تھا، قبطی اور بنی اسرائیلی کو، قبطی کو تو ہمارے مفسرین نے موسیٰ کے ہاتھوں مروا دیا تھا ،رہ گیا اپنا آدمی بنی اسرائیلی۔لہٰذا انہوں نے اسی سے یہ مکالمات ڈائلاگ کہلوائے ایک غلطی یاایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ اسرائیلی افسانوں میں یہی مذکور ہے کہ موسیٰؑ کے ہاتھوں ایک قتل ہوا ہے۔اسے ہمارے حدیثوں میں ملا دیا گیا اب اسے سچ ثابت کرنے کے لئے کچھ تو کرنا پڑے گا۔سیدھی سی بات تو یہ تھی کہ پلان کے مطابق آج کا مارنے والا جبار وہی کل والا آدمی تھاجب ہی تو موسیٰؑ نے کہا کہ تو تو لغو مبین صریح گمراہ ہے۔یہی تھا عدولھما۔ دونوں کا دشمن اور اس کی طرف موسیٰؑ نے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے جب اپنی طرف ہاتھ بڑھتے دیکھا تو منصوبے کے مطابق بیچ بازار کے موسیٰؑ کو بدنام کرنے لگا کہ تم نے کل بھی ایک آدمی کی جان لی کیا آج میری بھی جان لینا چاہتا ہے؟

معلوم ہو تا ہے فرعون کی بیوی کو کسی نہ کسی طرح پتہ چل گیا کہ موسیٰؑ کے خلاف پلان بنایا گیا ہے۔وہ یہ نہیں چاہتی تھی لہٰذا اس نے اپنے کسی معتمد آفیسر کو بازار بھیجا اُس نے موسیٰؑ سے کہا کہ بڑے بڑے اراکین سلطنت مشورہ کر رہے تھے کہ تمہیں قتل کیا جائے۔ سنو! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم یہاں سے نکل جاؤ۔ قرآنی الفاظ یہ ہیں۔انی لك من النا صحین(20/28)اس طرح موسیٰؑ کو مصر سے نکلنا پڑا۔خا ئفاً۔ڈراہوا۔یترقب۔کوئی پیچھاتونہیں کررہاہے۔قال رب نجنی من قوم الظالمین (21/28) اپنے رب کے سامنے معروض ہوا کہ مجھے اس ظالم قوم سے محفوظ رکھ۔اگر موسیٰؑ نے قتل کیا ہوتا تو وہ یہ نہ کہتا کہ مجھے اس ظالم قوم سے محفوظ رکھ۔وہ کہتا کہ ظلم تو میں نے کیا ہے ،مگر مجھے ان سے نجات دے۔ قاتل کو سزا ملنا تو عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

مگر بات یہ تھی کہ دام تزویر پھیلا کر حضرت موسیٰؑ کو ناکردہ گناہ میں پھانسا جا رہا تھا۔یہ سراسر ظلم تھا جو موسیٰؑ پر توڑا جا رہا تھا ۔۔۔۔۔۔مدین میں رہنے کے بعد جب اللہ نے موسیٰؑ سے کہا کہ اذھبا الی فرعون انه طغی۔تم فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکشی میں بہت آگے نکل چکا ہے۔تب موسیٰؑ اور ہارون نے عرض کی۔اننا نخاف ان یفرط علینااو ان یطغیٰ (45/20)ہمیں اندیشہ ہے فرعون ہماری مخالفت میں عجلت نہ کر بیٹھے۔ اللہ نے کہا۔لا تخافا اننی معکما اسمع واری(46/20)مت ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں میں سب کچھ سنتا ہوں۔سب کچھ دیکھتا ہوں۔موسیٰ نے کہا قال رب انی قتلت منهم نفساً فاخاف ان یقتلون(33/28)میں نے ان میں سے ایک کو زور و کوب کیا ہے۔ڈرتا ہوں وہ مجھے

(زوروکوب)یا قتل کر دیں گے۔اللہ نے کہا کہ۔لا یخاف لدی المر سلون(10/27)موسیٰؑ ڈرو نہیں ہمارے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے۔۔۔

عربی میں ذنب دم کو کہتے ہیں الزام کوئی بھی ہو یہ دم کی طرح پیچھے لگا رہتا ہے۔موسیٰؑ نے کہا ولھم علی ذنب فا خا فہ ان یقتلون۔وہ میرے ذمے ایک الزام دھرتے ہیں ، میں ڈرتا ہوں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔قال رب انی ظلمت نفسی فغفر لی فاغفر لہ ط انہ الغفور الرحیم(16/28)اے رب میں نے زیادتی کی (فرعون کے آدمی کے خلاف فیصلہ کیا گویا علمِ بغاوت بلند کیا)اس طرح میں اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا۔فاغفر لی مجھے محفوظ رکھ۔راغب ومحیط(لغات)غفر کے معنی غلاظت سے محفوظ رکھنا ڈھک لینا محفوظ رکھنا بتاتے ہیں۔بخش دینا نہیں۔موسیٰؑ نے رب سے کہا کہ مجھے فرعون کے شر سے محفوظ رکھ اور اللہ نے محفوظ رکھا۔ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ایک جلیل القدر پیغمبر پر قتل کا الزام لگائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں کہا ہے۔یا ایھا الذین امنوالا تکونوا کالذین اذوا موسیٰ فبراہ اللہ مما قالوا ط و کان عند اللہ وجیھاً(69/33) مومنو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ پر الزام لگا کر انہیں اذیت پہنچائی۔اللہ نے انہیں بے عیب پایا، بری کیا اس الزام سے۔۔۔وہ اللہ کے نزدیک بے داغ چہرے والے آبرو مند شخصیت تھے۔

غور فرمایئے اگر موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارتکاب کیا تھا تو یہ الزام تو نہ ہوا، حقیقت بیانی ہوئی۔حقیقت بیانی سے موسیٰؑ کو اذیت نہیں پہنچنی چاہیے تھی۔خجالت اور پشیمانی اور

شرمندگی ہونی چاہیے تھی۔ مگر اذیت تو اس لئے پہنچی کہ ناکردہ گناہ کا الزام ان پر لگاکر پریشان کیا گیا، حتیٰ کہ اُنہیں وطن چھوڑنا پڑا۔

مفسر صاحب نے کہیں فرضی تانے بانے بن کر، کہیں خیالی پلاؤ پکا کر اور کہیں سنسنی خیز انکشافات کر کے، اور کہیں لغوی مغالطے پیدا کر کے آخر کار حضرت موسیٰؑ کو نردوش (معصوم) ثابت کر ہی دیا مگر اس کوشش میں مزید کئی سوالات کھڑے ہو گئے۔ کیا قرآن پاک اتنی ہی مبہم اور غیر واضح کتاب ہے کہ بڑے بڑے مفسرین اس کی تفسیر کرتے ہوئے دھوکہ کھا گئے؟ کیا قرآن کا فرض نہیں تھا کہ اگر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کے بارے ایک جھوٹ گھڑ کے بائبل میں شامل کر دیا تھا تو قرآن اس کی واضح الفاظ میں تردید کرتا؟ اور پھر حضرت موسیٰؑ بار بار اپنی خطا (اگرچہ یہ غیر ارادی خطا تھی) تسلیم کر رہے ہیں مگر جدید مفسر صاحب ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ انہی سب چیزوں کی وجہ سے مفسر صاحب کی تفسیر بے تحاشہ تضادات کا مجموعہ بن گئی ہے۔ جن کے بارے آئندہ گفتگو کی جائے گی۔ فی الحال پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآنی آیت کا عام ترجمہ کیا ہے اور مفسر صاحب نے اس کا کیا ترجمہ کیا ہے۔

عام ترجمہ (جالندھری)	جدید مفسر صاحب کا ترجمہ
اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے تھے ایک تو موسیٰ کی قوم کا ہے اور دوسرا اُن کے دشمنوں میں سے تو جو شخص اُن کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا مدد طلب کی تو اُنہوں نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا کہنے لگے کہ یہ کام تو	اور موسیٰؑ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سورہے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک تو ان کی برادری میں کا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے تھا سو وہ جو ان کی برادری کے تھا اس نے موسیٰؑ سے استغاثہ کیا تو موسیٰ نے (پہلے) ان کو دھکا مار کر الگ کیا اور پھر

(اغوائے) شیطان سے ہوا بیشک وہ (انسان کا) دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔(القصص:۱۵)	اُن میں سے ایک کے خلاف فیصلہ سنایا اور کہا، یہ تم جو (لڑائی) کررہے ہو یہ شیطانی عمل ہے۔

مفسر صاحب کی علمی خیانتیں

مفسر صاحب نے الفاظ کی لغوی تشریحات بیان کرتے ہوئے بدترین علمی خیانتیں کی ہیں۔ کہیں صاحبِ لغت کے اصل موقف کو چھپا کر کتمانِ حق کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور کہیں حق اور باطل کا امتزاج کر کے اپنا الو سیدھا کیا ہے۔ اب مفسر صاحب کے پیش کیے ہوئے لغوی مغالطوں پہ ایک نظر ڈالتے ہیں۔

۱) قتل:

مفسر صاحب کے موقف میں سب سے بڑی رکاوٹ قرآن پاک کی یہ آیت ہے، جس میں حضرت موسیٰؑ اپنے ہاتھوں وقوع پذیر ہونے والے قتلِ خطا کا اعتراف کر رہے ہیں:

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ [۲۸:۳۳]

"عرض کی اے میرے رب! میں نے ان کے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے تو ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں"

لہٰذا مفسر صاحب نے ایک طویل بحث لفظ قتل کے ممکنہ معانی کے متعلق کی ہے۔ اور میں کئی بے بنیاد شوشے چھوڑے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تمام آئمہ لغت و مفسرین جانتے تھے کہ لفظ قتل کے معنی جان سے مار دینا بھی ہے اور لڑائی جھگڑا (یا جنگ کرنا) بھی ہے۔ جنگ کو قتال اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں فریقین ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہوتے ہیں۔ اسی سے لفظ مقتل یعنی میدان جنگ نکلا ہے۔ اب مفسر صاحب اپنا مطلق علم لفظ "قتل" کی لغوی تشریح میں لگا رہے ہے

ہیں، اور ثابت کر رہے ہیں کہ اس آیت میں حضرت موسیٰؑ جس قتل کا اعتراف کر رہے ہیں اس سے مراد "زدو کوب کرنا" ہے نا کہ جان سے مار دینا۔ خود مفسر صاحب کا ہی دعویٰ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کسی کو مکہ (گھونسا) نہیں مارا تھا بلکہ انہیں الگ کر کے ان کے درمیان بس فیصلہ کرا دیا تھا۔ تو پتا نہیں حضرت موسیٰؑ نے یہ زدو کوب کب اور کس کو کیا تھا جس کی بنیاد پہ انہیں خود سے بدلہ لیے جانے کا ڈر تھا؟ مفسر صاحب کے موقف کا تضاد یہیں کھل کر سامنے آ گیا ہے۔

مفسر صاحب نے ایک اور دلچسپ بات موت اور قتل کا فرق بیان کرتے ہوئے کہی ہے۔ فرماتے ہیں:

> احزاب کی آیت (16) میں اللہ نے قتل اور موت کا فرق بیان کیا ہے۔ فرمایا۔قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او قتل۔یعنی اگر تم غزوات میں موت یا قتل سے فرار ہونا چاہتے ہو تو کوئی فائدہ نہیں۔اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ قتل سے آدمی زندہ بھی رہ سکتا ہے مگر موت کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔

حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی طبعی طور پر وفات پا جائے تو اسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کسی کے ہاتھوں انسان موت کے گھاٹ اتر جائے تو اسے قتل کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ.... ﴿آل عمران: ۱۴۴﴾

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (خدا کے) پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں بھلا اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟

۲) وکزہ:

وکز کے معنی ہیں۔ گھونسہ مارنا، دھکا دینا۔ امام راغب لکھتے ہیں:

الوَکْزُ: الطّعن، والدّفع، والضّرب بجمیع الکفّ. قال تعالی: فَوَكَزَهُ مُوسى

[القصص/ 15] .

کچوکہ لگانا، دھکا دینا، گھونسہ مارنا۔ قرآن میں ہے۔ تو موسیٰ نے اس کو مکا مارا۔

اب حضرت موسیٰؑ نے چاہے قبطی کو مکا مارا ہو یا دھکا دیا ہو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ قبطی اپنی جان سے چلا گیا۔ مفسر صاحب ایک جگہ اعتراف کر رہے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے قبطی کو زدوکوب کیا تھا۔ اس کے ساتھ مار پیٹ کی تھی۔ مگر دوسری جگہ مکر رہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ انہوں نے تو بس فریقین کو الگ کیا تھا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرا سکے۔ چنانچہ مفسر صاحب فرماتے ہیں:

> آیت میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے "وکزہ موسیٰ" جس کا ترجمہ ہمارے ہاں عام طور پر مترجمین نے مکہ (گھونسہ) کے لئے ہیں، حالانکہ اس کے معنی ہیں موسیٰؑ نے پیچھے دھکیلا (لغات لقرآن صفحہ 1737) عربی قوامیس میں مٹھی کے علاوہ پیچھے ہٹانا (TO DRIVE BACK) دھکا دینا، پسپا کرنا (Thrash To) زور سے دھکیلنا نیزہ گھونپنا بھی ہے۔ فلہٰذا موسیٰؑ جیسے فہم و فراست کے مالک نے یہی کیا، کہ مدد کے لئے بلانے پر نزدیک گئے اور سب سے پہلے "وکزہ"" انہیں چھڑا یا زیادتی کرنے والے کو پیچھے دھکیلا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ مفسر صاحب نے یہاں زبردست فنکاری دکھائی ہے۔ محترم نے "وکزہ موسیٰ" کا مفہوم 'موسیٰؑ نے پیچھے دھکیلا' بیان کیا ہے اور اسے جناب غلام احمد پرویز کے سر منڈھ دیا ہے اور ان کی لغات القرآن کا حوالہ دے دیا ہے۔ جب کہ پرویز صاحب نے ایسی کوئی بات نہیں لکھی، وہ بھی اس کا ترجمہ "موسیٰؑ نے اسے گھونسہ مارا" ہی بیان کرتے ہیں۔ اس سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ مفسر صاحب اپنے موقف کو قرآن

سے ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کی دھوکہ دہی پر آمادہ ہیں۔ پرویز صاحب کی لغات القرآن سے تراشہ حاضر ہے۔

لغات القرآن ۱۷۳۷ و ک ل

و ک ز

اَلْوَکْزُ۔ دھکا دینا۔ گھونسہ مارنا۔ ضرب لگانا۔ ٹھوڑی پر مکا مارنا۔ وَکَزَہٗ بِالرُّمْحِ۔ اس نے اس کے نیزہ گھونپا۔ وَکَزْتُ اَنْفَہٗ میں نے اس کی ناک توڑ دی*۔ سورۃ قصص میں ہے فَوَکَزَہٗ مُوْسیٰ (۲۸/۱۵)۔ موسیٰ نے اسے گھونسا مارا۔ (مفہوم مارنے کا ہے)۔

۳) فقضی علیه

بے شک قضیٰ کا ایک مطلب فیصلہ کرنا یا حکم سنانا بھی ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ اور قدیم و جدید مفسرین قرآن کے سیاق و سباق میں جہاں ضرورت ہوتی ہے اسے فیصلہ سنانے یا حکم سنانے کے معنوں میں ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھا انکشاف نہیں کیا مفسر صاحب نے۔ مگر ضروری نہیں کہ ہر جگہ اس کا مطلب فیصلہ سنانا ہی ہو (بالکل ایسے ہی جیسے مفسر صاحب کے نزدیک قتل کا ہر جگہ مطلب مرنا یا مارنا نہیں ہو گا)۔ لغات میں اس کا معنیٰ موت بھی بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام راغب لکھتے ہیں:

ويعبّر عن الموت بالقضاء، فيقال: فلان قَضَى نحبه، كأنه فصل أمره المختصّ به من دنياه،

اور کبھی قضا سے مراد موت ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے فلان قَضَى نحبه، یعنی اس نے اپنے دنیاوی امور جو اس کے ساتھ مخصوص تھے پورے کر لیے (یعنی فوت ہو گیا)۔

قدیم وجدید مفسر یہاں قبطی کی موت کے متعلق دلیل ان بعد کے اعترافات کی بنیاد پر پکڑتے ہیں جو حضرت موسیٰؑ مختلف مواقع پر کرتے رہے کہ ان کے ہاتھوں قبطی کی موت واقع ہوئی تھی۔

مگر یہاں بھی مفسر صاحب نے انتہائی فریب سے کام لیا اور لغات میں سے اپنے کام کی چیزیں نکال کر پیش کرتے رہے جن سے ان کا موقف مضبوط ہو سکے۔ مگر جو چیزیں اپنے خلاف جاتی تھیں ان سے صرفِ نظر کرتے رہے۔ مفسر صاحب فرماتے ہیں:

> **فقضی علیه**۔عام طور پر اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ موسیٰؑ نے اسے ختم کر دیا۔ موسیٰؑ کے ہاتھوں اس کی قضا آئی۔ **فقضی علیه** کا ترجمہ تاج العروس نے مضبوط اور محکم فیصلہ کرنا کیا ہے۔دونوں کو جدا کیا فیصلہ کیا(تاج العروس صفحہ 1372)

یہاں مفسر صاحب چھپا گئے کہ تاج العروس میں اس کا ترجمہ قتل کرنا بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ تاج العروس میں ہے:

قَضاءً: (ماتَ) ؛ وَهُوَ مجازٌ. (و) ضَرَبَه} فقَضى (عَلَيْهِ) : أَي (قَتَلَهُ)

کتمانِ حق کی ایک اور مثال دیکھیے۔ مفسر صاحب لکھتے ہیں:

> قاموس العصری (الیاس انطون الیاس)نے قضیٰ کا ترجمہ(DECIDE) لکھا ہے اور TO SATISTY TO MAKE NECESSARY JUDGMENT

مگر یہاں بھی یہ بات چھپالی گئی کہ صاحبِ لغت الیاس انطون صاحب بھی قضیٰ علیہ کا ایک مطلب قتل کر دینا بھی بیان کرتے ہیں۔ مگر یہ بات ظاہر کرنے سے مفسر صاحب کے گھڑوں پر پانی پڑ سکتا تھا اس لیے صرف اپنے موقف کو مضبوط کرنے والی بات بیان کر دی گئی۔ تراشا حاضر ہے:

Elias'
MODERN DICTIONARY
Arabic - English
BY
ELIAS A. ELIAS & ED. E. ELIAS

NINTH EDITION
With Several Additions and Alterations.

ELIAS' MODERN PRESS, CAIRO U.A.R.

قضى — ٦٤٨

— على الامر : أبطَلَه To put an end to.
— على : خيَّب To frustrate; defeat; baffle.
— على : اعدَمَ To destroy; make an end of.
— عليهِ : قَتَلَه To kill; deprive of life.
— عليهِ : حكم عليهِ To sentence; condemn; pass judgment upon.
— عليهِ بالاعدام (مثلاً) To condemn to death.
— عليه : أوْجَبَ To necessitate.
— له: حَكَم له To give judgment in favour of.
— بين الخصمَيْن To judge; give judgment.

۴) ذنب اور غفر:

ذنب کے معنی دم کے ہوتے ہیں۔ یہ بات تو مفسر صاحب کی ٹھیک ہے۔ مگر ذنب الزام کو کہتے ہیں یہ مفسر صاحب کی ذہنی اختراع ہے۔ اس لیے انہوں نے کسی لغت کا حوالہ دینا مناسب نہیں سمجھا۔ حیرت کی بات ہے کہ ایک جگہ مفسر صاحب کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو اس بات کا ڈر تھا کہ انہوں نے قبطی کو مارا پیٹا ہے اس لیے انہیں بھی فرعون کی طرف سے اسی سزا کا ڈر ہے۔ مگر آگے آکر کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ پر ایک (جھوٹا) الزام دھرا ہے اس لیے ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ اور پھر ایک اور پلٹی کھاتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو اس چیز کا ڈر تھا کہ انہوں نے قبطی کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اس لیے وہ ڈر رہے ہیں۔ گویا مفسر صاحب نے بات شروع تو کر دی ہے اب سنبھالی نہیں جا رہی۔ فرماتے ہیں:

> عربی میں ذنب دم کو کہتے ہیں۔ الزام کوئی بھی ہو یہ دم کی طرح پیچھے لگا رہتا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا ولھم علی ذنب فاخافہ ان یقتلون۔ وہ میرے ذمے ایک الزام دھرتے ہیں، میں ڈرتا ہوں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ قال رب انی ظلمت نفسی فغفر لی فاغفر لہ ط انہ الغفور

الرحیم(16/28)اے رب میں نے زیادتی کی (فرعون کے آدمی کے خلاف فیصلہ کیا گویا علمِ بغاوت بلند کیا)اس طرح میں اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا۔فاغفرلی مجھے محفوظ رکھ۔راغب ومحیط(لغات)غفر کے معنی غلاظت سے محفوظ رکھنا ڈھک لینا محفوظ رکھنا بتاتے ہیں۔بخش دینا نہیں۔موسیٰؑ نے رب سے کہا کہ مجھے فرعون کے شر سے محفوظ رکھ اور اللہ نے محفوظ رکھا۔

ذنب کا معنی "الزام" گھڑنے کے بعد مفسر صاحب ایک اور شوشہ چھوڑتے ہیں صاحبانِ لغات غفر کے معنی محفوظ رکھنا بتاتے ہیں بخش دینا نہیں۔یہاں بھی آدھی بات بیان کی۔بے شک غفر کے معنی محفوظ رکھنے کے ہیں۔اور مسلمان بخش دینا اسی کو کہتے ہیں کہ اللہ پاک ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں عذاب نہ دے بلکہ اس سے محفوظ رکھے۔چناچہ امام راغب رقم کرتے ہیں:

والغُفْرَانُ والْمَغْفِرَةُ من الله هو أن يصون العبد من أن يمسّه العذاب. قال تعالى:

غُفْرانَكَ رَبَّنا

اللہ کی طرف سے مغفرت یا غفران کے معنی ہوتے ہیں کہ بندے کو عذاب میں مبتلا ہونے سے بچالیا۔
قرآن میں ارشاد ہے۔اے ہمارے رب!ہمیں بخش دے۔(یعنی عذاب سے محفوظ رکھ)

قارئین نے ملاحظہ کرلیا کہ محض ایک مفروضے کو ثابت کرنے کے لیے مفسر صاحب کیا کیا پاپڑ بیل رہے ہیں۔کہیں من گھڑت کہانیاں سنا رہے ہیں۔کہیں لغت کے غلط اور کہیں نامکمل حوالے دے رہے ہیں۔کیوں؟ صرف اس لیے کہ ضد پر آگئے ہیں کہ اپنا موقف درست ثابت کرنا ہے۔اور پھر اس پر دعویٰ یہ کہ "ہم صرف قرآن کو مانتے ہیں۔" مگر یہ ماننا جس طرح کا ہوتا ہے اس کی ایک جھلک آپ نے دیکھ لی ہے۔

ہو سکتا ہے اس کتاب کو پڑھنے کے بعد طعنہ دیا جائے کہ یہ تو بخاری کا مقلد، گمراہ اور جاہل شخص ہے کہ ایک بندہ ایک جید پیغمبر کو معصوم عن الخطاء ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور یہ اس کی مخالفت کر رہا ہے تو گذارش یہ ہے کہ ہم تو اسی چیز پر ایمان لاتے ہیں جو "کتاب اللہ" بیان کرتی ہے نا کہ "صرف قرآن ہی کافی ہے" کا نعرہ لگا کر قرآن کی من گھڑت تشریحات بیان کرنے والوں کی کہانیوں پر۔

اب آخر میں ایک گواہی جدت پسندوں کے اپنے گھر سے ہی پیش کرتا ہوں کہ شاید اسے قبول کر لیا جائے۔ جن صاحب کی پوسٹ کا میں اسکرین شاٹ پیش کر رہا ہوں۔ یہ قرآنی مادوں کی تشریح "صرف قرآن" کی روشنی میں کر رہے ہیں۔ یعنی امام بخاری کے مقلد نہیں ہیں تو یہ صاحب بھی اس بات کے قائل ہیں کہ انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

Inam Ul Haq ▸ ش‌ناد و مہف ےناقرا‌ن‌شیربآ
2 hrs ·

135) رسول: مادہ "ر.س.ل" ہے۔ اس کے معنی ہیں چل پڑنے والا، روانہ ہونے والا۔ الرسول قرآن کی اصطلاح ہے، اور یہ اس شخص کو کہتے ہیں، جسے اللہ کی طرف سے بندوں کو پیغام پہنچانے کے لئے بھیجا جائے۔ انبیاء کرام اور رسولوں کی خصوصیات قرآن کریم میں مذکور ہیں، جن میں چند ایک بنیادی نوعیت کی یہ ہیں :

(۱) رسول کسی سے اپنا حکم نہیں منواتا، صرف اللہ کے قانون کی اطاعت کراتا ہے 3/79 .

(۲) وہ اگر کسی معاملہ میں غلطی بھی کرتاہے تو وہ اس کی ذاتی غلطی ہوتی ہے۔ صحیح راستہ اللہ اپنی وحی کے ذریعے دکھاتا ہے 34/50.

(۳) رسول خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا 10/49 .

(٤) وہ کسی سے اجرت رسالت نہیں مانگتا 10/72.

(٥) رسول کی بیوی بچے ہوتے تھے 13/38.

(٦) تمام رسول اپنے اپنے وقت پر آئے، اور فریضہ ادا کرنے کے بعد، دنیا سے تشریف لے گئے 3/134.

(۷) نبی آخر الزمان کی بعثت کے بعد، فوز و فلاح و سعادت حضورؐ پر ایمان لانے اور ان کی طرف نازل ہونے والی وحی پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے 7/158.

(۸) رسول کو رسالت ملنے سے پہلے، قطعاً علم و احساس نہیں ہوتا تھا کہ اسے نبوت ملنے والی ہے 28/86 .

(۹) نبی اکرمؐ نبوت ملنے سے پہلے، ان پڑھ تھے، لیکن بعد میں ان پڑھ نہ رہے تھے 29/47.

حصہ دوم

عصمتِ انبیاء کا قرآنی تصور

اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے کون ہیں؟

از

محمد امین اکبر

فہرست عنوانات

اللہ کے مخلص بندے 26

شیطان کا برائی کرانے کا طریقہ کار 28

برائی کے بعد شیطان کا ردعمل 30

برائی کے بعد نیک لوگوں کا ردعمل 31

انبیاء علیہ السلام اور خطائیں 34

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ 36

حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ 37

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ 39

چند مزید آیات 57

اللہ کے مخلص بندے

اللہ تعالیٰ نے جب شیطان کو ملعون قرار دیا تو اس وقت شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ وہ اللہ کے بندوں کو بہکائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا وار میرے مخلص بندوں پر نہ چل سکے گا۔ شیطان نے بھی قبول کیا کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں پر اس کا وار نہ چلے گا۔

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ [۱۵:۴۰]

"سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں مخلص ہوں گے"

مخلص کون ہوتا ہے؟ قرآن کریم کی آیات کے مطابق جو بھی اپنے آپ کو، اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لے وہ مخلص ہو گا۔ مخلص کے متضاد مشرک یا کافر ہوتا ہے۔ ایک شخص مختلف اوقات میں مخلص اور مشرک ہو سکتا ہے۔ جیسے

لَوْ أَنَّ عِندَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ [۳۷:۱۶۸]

"اگر ہمارے پاس اگلوں کی کوئی نصیحت ہوتی"

لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ [۳۷:۱۶۹]

"تو ضرور ہم اللہ کے چُنے ہوئے بندے ہوتے"

یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ہدایت پانے والا مخلص ہے، چاہے وہ نبی ہو یا عام آدمی۔ ان آیات میں بھی مشرک یہی کہہ رہے ہیں کہ اگر ہمارے پاس ہدایت ہوتی تو وہ مخلص ہوتے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے ہدایت کو پہچانا نہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا [۴:۱۴۶]

"البتہ جو اُن میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیں، ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا"

پہلے بے شک کوئی کافر ہو جب تائب ہو کر اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر لے گا تو مخلصین میں ہو گا۔

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ [۲۹:۶۵]

"جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُس سے دُعا مانگتے ہیں، پھر جب وہ اِنہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں"

جب تک وہ کشتی پر اپنے آپ کو خالص کر کے اللہ سے دعا مانگتا رہا مخلص رہا۔ بعد میں خود ہی مشرک ہو گیا۔

انسان جب تک اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص رکھتا ہے مخلص ہوتا ہے، اس حالت میں شیطان کا وار نہیں چل سکتا مگر اس کے بعد جب لوگ خود کفر کی طرف مائل ہونا چاہے تو شیطان کا وار چل جاتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ [۷:۲۰۱]

"حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں اُن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے"

جو لوگ اپنے دین کو مستقل اللہ کے لیے خالص رکھتے ہیں اُنکا یہ حال ہو جاتا ہے کہ ذرا سا برا خیال چاہے شیطان کے اثر سے آئے یا کسی اور وجہ سے، وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں۔

شیطان کا برائی کرانے کا طریقہ کار

ایک بات ذہن میں رہے کہ شیطان کسی سے ہاتھ پکڑ کر برائی نہیں کرا سکتا۔ شیطان صرف یہ کرتا ہے کہ اسے برائی کو خوبصورت بنا کر دکھاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ [١٥:٣٩]

"کہا اے میرے رب! جیسا تو نے مجھے گمراہ لیا ہے البتہ ضرور ضرور میں زمین میں انہیں ان کے گناہوں کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا"

یعنی ارادہ تو انسان کا ہی ہو گا۔ شیطان مشورہ ضرور دے گا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ شیطان زبردستی بری حرکتیں کراتا ہے تو پھر انسان کو کس بات کا عذاب؟

دنیا میں انسان جو بھی برے کام کرتے ہیں وہ شیطانوں کے کھاتے میں نہیں ڈالے جا سکتے کہ یہ شیطان نے کرائے ہیں۔ بہت سی بری حرکتیں انسان اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ شیطان اُن بری حرکتیں کرنے والے لوگوں کو ڈھونڈتا ہے اور پھر ان کو مزید برائیوں کے لیے اکساتا ہے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ [٢٦:٢٢١]

کیا میں تمہیں بتاؤں شیطان کس پر اترتے ہیں

تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ [٢٦:٢٢٢]

ہر جھوٹے گناہگار پر اترتے ہیں

یعنی انسان جھوٹ بولنے کی برائی تو اپنی مرضی سے کر رہا ہوتا ہے، اس برائی کے شروع کرنے میں شیطان کا کوئی قصور نہیں ہوتا، شیطان تو بعد میں اس کے ساتھ لگتا ہے۔ مگر بعض صورتوں میں شیطان برائی کرنے کے لیے وسوسہ ڈال سکتا ہے مگر ہاتھ پکڑ کر زبردستی برائی نہیں کرا سکتا۔

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم ۖ مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ [۱۴:۲۲]

"اور جب فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پھر میں نے وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر اس کے سوا کوئی زور نہ تھا کہ میں نے تمہیں بلایا پھر تم نے میری بات کو مان لیا پھر مجھے الزام نہ دو اور اپنے آپ کو الزام دو نہ میں تمہارا فریادرس ہوں اور نہ تم میرے فریادرس ہو میں خود تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ تم اس سے پہلے مجھے شریک بناتے تھے بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے"

شیطان کہے گا کہ میں نے تو صرف ایک خیال تمہارے دل میں ڈالا جسے تم نے مان لیا، ہم نے زبردستی برائی تو نہ کرائی تھی۔

برائی کے بعد شیطان کا ردعمل

سب سے پہلے شیطان نے اپنی مرضی سے غرور کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے سزا دی تو شیطان نے اس برائی کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ کو ٹھہرایا۔

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ [۱۵:۳۹]

"کہا اے میرے رب! جیسا تو نے مجھے گمراہ لیا ہے البتہ ضرور ضرور میں زمین میں انہیں ان کے گناہوں کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا"

اس دنیا میں شیطان کے پیروکار بھی، یعنی کافر اور مشرک، اپنی ہر برائی کا وہی جواب دیتے ہیں جو شیطان نے دیا تھا۔ یعنی اگر اللہ کی مرضی نہ ہوتی تو ہم یہ نہ کرتے۔ یہ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ پر الزام لگانا ہے جیسے درج بالا آیت میں شیطان نے لگایا۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ [۱۶:۳۵]

یہ مشرکین کہتے ہیں "اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اُس کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے اور نہ اُس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھیراتے" ایسے ہی بہانے اِن سے پہلے کے لوگ بھی بناتے رہے ہیں تو کیا رسولوں پر صاف صاف بات پہنچا دینے کے سوا اور بھی کوئی ذمہ داری ہے؟

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ [٦:١٤٨]

یہ مشرک لوگ (تمہاری ان باتوں کے جواب میں) ضرور کہیں گے کہ "اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھراتے" ایسی ہی باتیں بنابنا کر اِن سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا یہاں تک کہ آخر کار ہمارے عذاب کا مزا انہوں نے چکھ لیا ان سے کہو "کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم تو محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو"

برائی کے بعد نیک لوگوں کا رد عمل

اللہ کے نیک لوگوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر طرح کی بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور ہر طرح کی برائی کا ذمہ دار اپنی ذات کو ہی مانتے ہیں۔

مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا [٤:٧٩]

"تجھے جو بھی بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے ہم نے تجھے لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے"

حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوگئی تو انہوں نے شیطان کی طرح اللہ تعالیٰ پر الزام نہیں لگایا بلکہ اپنا قصور فوراً مانتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ [۷:۲۳]

"ان دونوں نے کہا اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے"

جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔

تمام انبیاء اور نیک لوگوں سے جب بھی کوئی خطا سرزد ہو جاتی تھی یا انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو وہ اس پر اللہ تعالیٰ کو موردالزام ٹھہرانے کی بجائے اسے شیطان کی طرف سے قرار دیتے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو جب تکلیف پہنچی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ نے فریاد کرتے ہوئے اپنی تکلیف کا ذمے دار شیطان کو ٹھہرایا۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ [۳۸:۴۱]

"اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کر جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے تکلیف اور عذاب پہنچایا ہے"

اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی تکلیف کو دور فرما دیا۔

اس کے علاوہ دیکھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب یوشع بن نون جب ایک بات کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرنا بھول گئے تو اس کا قصوروار انہوں نے شیطان کو ٹھہرایا۔

قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا [۱۸:۶۳]

"کہا کیا تو نے دیکھا جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھرے تو میں مچھلی کو وہیں بھول آیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلایا ہے کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے اپنی راہ سمندر میں عجیب طرح سے بنالی"

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنے بھائیوں کی خطا شیطان کے ذمے ڈال کر انہیں معاف کر دیا۔

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَقَالَ يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ مِن بَعْدِ أَن نَّزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۚ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ [۱۲:۱۰۰]

اور اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور اس کے آگے سب سجدہ میں گر پڑے اور کہا اے باپ میرے اس پہلے خواب کی یہ تعبیر ہے اسے میرے رب نے سچ کر دکھایا اور اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور تمہیں گاؤں سے لے آیا اس کے بعد کہ شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں جھگڑا ڈال چکا بے شک میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے مہربانی فرماتا ہے بے شک وہی جاننے والا حکمت والا ہے

قرآن کریم کی بعض آیات پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ واقعی شیطان بہت سی باتیں بھلا دیتا ہے۔

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ [۱۲:۴۲]

اوران دونوں میں سے جسے شیطان نے اسے اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا پھر قید میں کئی برس رہا

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب غلطی سے مصری کو مار دیا تو اسے حرکت کو بھی شیطانی کہا، جس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے۔

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِن شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ [۲۸:۱۵]

”اور اس شہر میں داخل ہوا جس وقت شہر والے دوپہر کے خواب میں بے خبر تھے تو اس میں دو مرد لڑتے پائے، ایک موسیٰ، کے گروہ سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں سے تو وہ جو اس کے گروہ سے تھا اس نے موسیٰ سے مدد مانگی، اس پر جو اس کے دشمنوں سے تھا، تو موسیٰ نے اس کے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا بیشک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا “

انبیاء علیہ السلام اور خطائیں

ان تمام آیات کو پڑھ کر صاف پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام تمام بھلائیاں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے تھے مگر جو بھی خطا سر زد ہو جاتی اس کا قصور وار خود کو یا شیطان کو گردانتے۔

یاد رہے کہ انبیاء علیہ السلام غلطیوں اور بھول چوک سے مبرا نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر جو وحی نازل ہوتی اسے جوں کا توں پہنچاتے تھے اس وحی کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ کرتے تھے مگر عام زندگی میں دین سے ہٹ کر اُن سے غلطیوں کا احتمال بہر حال تھا۔ بعض لوگوں کا یہ مفروضہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام معصوم ہوتے ہیں اس لیے اُن سے غلطیاں نہیں ہو سکتی۔ یہ مفروضہ اور جو لوگ یہ مفروضہ قائم کیے ہوئے ہیں اُن کی نیت بہت نیک نظر آتی ہے کہ وہ لوگ انبیاء کو معصوم تصور کرتے ہیں۔ اس کے دوسرے رخ کو دیکھا جائے تو اس کا نقصان یہ ہے کہ اگر کوئی پہلے سے ہی ایک مفروضہ کو

درست مان کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرے گا تو پھر وہ قرآن کا ترجمہ و تفسیر اسی مفروضے کے مطابق کرے گا۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ پہلے قرآن کو پڑھا جائے، سمجھا جائے اور پھر کوئی مفروضہ قائم کیا جائے، نہ کہ پہلے مفروضہ قائم کیا جائے اور پھر اس کی روشنی میں قرآن سمجھا جائے۔ اس سے قرآن کے سمجھانے میں تحریفات کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اگر قرآن کو پڑھ کر لگتا ہے کہ کسی نبی سے اللہ کے کسی بندے سے غلطی ہو سکتی ہے کہ اسے ماننے میں کوئی حرج نہیں۔ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ انبیائے کرام جو وحی پہنچاتے تھے اس میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ وحی کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں چند آیات ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی سنت تبدیل نہیں کرتا۔ جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں مخصوص پس منظر میں آئے ہیں۔ ان سے پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام حالات بیان کر دیئے ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ اپنی سنت نہیں بدلتے، مگر پھر بھی بعض لوگوں نے اس سنت کا مطلب قوانین فطرت کر دیا اور ایک مفروضہ قائم کیا کہ قوانین فطرت تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اب اس مفروضے کو قائم کرنے کے بعد قرآن کریم میں انہیں جہاں کہیں بھی کوئی ایسی آیت نظر آئی جس میں کوئی مافوق الفطرت چیز یا کوئی ایسی بات تھی جو ان کے قائم کیے ہوئے مفروضے کے مخالفت تھی تو اس کی انہوں نے من مانی تشریح شروع کر دی۔ ایسا کرتے ہوئے انہیں ایک مفروضے کو بچانے کے لیے درجنوں نئے مفروضے قائم کرنے پڑے۔ پیدائش آدم کا ذکر آیا تو وہ چونکہ عام قوانین فطرت کے خلاف بات تھی تو اس کے لیے عالم خلق اور عالم امر کا نظریہ قائم کرنا پڑا۔ اگر اپنے پہلے سے بنائے گئے مفروضوں کی بنیاد پر قرآن کریم کے تراجم کیے جائیں یا تفاسیر لکھی جائیں تو ایک دو آیات کی حد تو یہ مفروضہ قائم رکھنے والے اپنے مقاصد پا لیتے ہیں مگر پھر اس کے بعد دوسری آیات میں تضاد آ جاتا ہے یا پھر دوسری آیات کے بھی من مانے تراجم کرنے پڑتے ہیں۔ ذیل میں ہم قرآن میں درج چند ایسی آیات کو بغیر کوئی مفروضہ قائم کیے دیکھیں گے جن سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہا لسلام سے غلطیاں ہوئیں ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں شیطان نے وسوسہ دیا اور انہوں نے نافرمانی کرتے ہوئے ممنوع درخت کا پھل کھالیا۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ [۲۰:۱۲۰]

پھر شیطان نے اس کے دل میں خیال ڈالا کہا اے آدم کیا میں تجھے ہمیشگی کا درخت بتاؤں اور ایسی بادشاہی جس میں ضعف نہ آئے

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ [۲۰:۱۲۱]

پھر دونوں نے اس درخت سے کھایا تب ان پر ان کی برہنگی ظاہر ہو گئی اور اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پھر بھٹک گیا

اس نافرمانی کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے اپنا گناہ قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ [۷:۲۳]

ان دونوں نے کہا اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ [۲۰:۱۲۲]

پھر اس کے رب نے اسے سر فراز کیا پھر اس کی توبہ قبول کی اور راہ دکھائی

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ [۷:۲۷]

"اے آدم کی اولاد تمہیں شیطان نہ بہکائے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکال دیا ان سے ان کے کپڑے اتروائے تاکہ تمہیں ان کی شرمگاہیں دکھائے وہ اور اس کی قوم تمہیں دیکھتی ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھتے ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ شیطان کے حضرت آدم علیہ السلام کے بہکانے کے واقعے کی تصدیق کر رہے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں چرواہے کا ریوڑ کسی کی کھیتی کھا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ ریوڑ کھیتی والے کا ہوا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعے اس فیصلے کی تصحیح کرا دیا۔

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ [۲۱:۷۸]

اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ کھیتی کے جھگڑا میں فیصلہ کرنے لگے جب کہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں اور ہم اس فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ [۲۱:۷۹]

پھر ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکمت اور علم دیا تھا اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تابع کیے جو تسبیح کیا کرتے تھے اور یہ سب کچھ ہم ہی کرنے والے تھے۔

اس کے علاوہ بائبل میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حیلے سے 99 بیویوں کے ہوتے ہوئے ایک اور شادی کی۔ اس شادی کے لیے انہوں نے عورت کے شوہر کو محاذ جنگ پر بھیج دیا جہاں وہ شہید ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ االسلام نے عورت سے شادی کر لی۔ حضرت داؤد علیہا لسلام کی یہی غلطی اُن کو بتانے کے لیے دو آدمی اُن کے پاس بھیجے گئے جنہوں نے 99 دنبیاں اور 1 دنبی کے حوالے سے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ اس واقعے کو تنبیہ سمجھ کر انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ [۳۸:۲۴]

کہا البتہ اس نے تجھ پر ظلم کیا جو تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا سوال کیا گور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں مگر جو ایماندار ہیں اور انہوں نے نیک کام بھی کیے اور وہ بہت ہی کم ہیں اور داؤد سمجھ گیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے پھر اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدہ میں گر پڑا اور توبہ کی۔

فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ [۳۸:۲۵]

پھر ہم نے اس کی یہ غلطی معاف کر دی اور اس کے لیے ہمارے ہاں مرتبہ اور اچھا ٹھکانہ ہے

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہم نے غلطی معاف کر دی، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اُن سے واقعی کوئی نہ کوئی غلطی ہوئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ

قرآن کریم میں درج بہت سے ایسے واقعات، جن میں انبیائے کرام سے انجانے میں ہونے والی خطاؤں کا ذکر ہے ان میں ایک واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصری کو مکا مارنے کا بھی ہے۔ مصری اس مکے سے مر گیا تھا۔ آیئے اس واقعے کو دیکھتے ہیں کہ قرآن نے کہاں کہاں اس واقعے کی، جو بائبل میں بھی بیان ہوا ہے، تصحیح کی ہے۔

بائبل میں یہ قصہ ان الفاظ میں لکھا ہے۔

"خروج: باب 2 : 11۔ اتنے میں جب موسیٰ بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا اور اُن کی مشقتوں پر اُس کی نظر پڑی اور اُس نے دیکھا ایک مصری اُسکے ایک عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ 12۔ پھر اُس نے اِدھر اُدھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اُس مصری کو جان سے مار کر اُسے ریت میں چھپا دیا۔ 13۔ پھر دوسرے دن وُہ باہر گیا اور دیکھا دو عبرانی آپس میں مار پیٹ کر رہے ہیں۔ تب اُس نے اُسے جس کا قصور تھا کہا کہ تو اپنے ساتھی کو کیوں مارتا ہے؟ 14۔ اُس نے کہا تجھے کس نے ہم پر حاکم یا منصف مقرر کیا؟ کیا تو نے جس طرح اُس مصری کو مار ڈالا مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے؟ تب موسیٰ یہ سوچ کر ڈرا کہ بِلا شک یہ بھید فاش ہو گیا۔ 15۔ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰ کو قتل کرے پر موسیٰ فرعون کے حضور سے بھاگ کر ملک مدیان میں جا بسا۔

خروج: باب 4 : 19۔ اور خداوند نے مدیان میں موسیٰ سے کہا کہ مصر کو لوٹ جا کیونکہ وُہ سب جو تیری جان کے خواہاں تھے مر گئے۔

قرآن کریم میں اس واقعہ سے متعلقہ آیات اور میرے خیال میں اُن آیات کی تفسیر اس طرح ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ [۲۸:۱۴]

"اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورے زور پر آیا ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو،"

پچھلی آیات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں اپنے حقیقی گھر میں حقیقی والدہ کے ساتھ پرورش پائی۔ بظاہر اُن کا تعلق فرعون کے خاندان سے تھا مگر وہ جان چکے تھے کہ وہ اصل میں بنی اسرائیل ہیں۔ اُن کی فطرت بڑی نیک تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اثر ورسوخ تو فرعون کی معرفت عطا کیا جبکہ علم یعنی علم دین اور اُن کی شخصی پہچان بنی اسرائیل کی معرفت اُن کو کرائی گئی۔

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِن شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ [۲۸:۱۵]

"اور اس شہر میں داخل ہوا جس وقت شہر والے دوپہر کے خواب میں بے خبر تھے تو اس میں دو مرد لڑتے پائے، ایک موسیٰ کے گروہ سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں سے تو وہ جو اس کے گروہ سے تھا اس نے موسیٰ سے مدد مانگی، اس پر جو اس کے دشمنوں سے تھا، تو موسیٰ نے اس کے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا بیشک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا،"

فرعون کا محل دریا کے کنارے پر اور شہر سے باہر تھا۔ کسی دن ایسا ہوا کہ اُن کا چکر شہر میں اس وقت لگا جب لوگوں کی اکثریت دوپہر میں قیلولہ یا آرام کرنے میں مصروف تھی۔ یہ وقت صبح صادق کا بھی ہو سکتا ہے اور رات کا بھی، اصل بات تو بس اتنی ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں آئے لوگ سو رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک بنی اسرائیل سے اور دوسرا مصری۔ دوست اور دشمن کی پہچان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیت میں بتا دیا ہے۔ عبرانی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مصری کے خلاف مدد چاہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی مدد کرنے کے لیے عبرانی کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے اور مخالف مصری کو ایک مکا مارا، اُن کا خیال تھا کہ وہ

اس طرح جان چھوڑ دے گا۔ مگر مصری نے تو مکا کھا کر دنیا ہی چھوڑ دی اور مکے کی تاب نہ لاتے ہوئے مر گیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ نادم ہوئے کہ شاید شیطان کا اُن پر غلبہ چل تھا اور اُن کو غصہ آ گیا تھا۔ انہوں نے اس وقت وہی بات کی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے اُن کی غلطی کے وقت کہی تھی یعنی

وَأَقُل لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ [۷:۲۲]

اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کہا کہ

هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ

"یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا بیشک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا"

اس کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس غلطی کو شیطان سے اس لیے بھی منسوب کیا کہ انبیاء اور صالحین اپنی اور دوسروں کی ہر غلطی کو شیطان سے منسوب کرتے ہیں۔ اس بارے میں ہم شروع میں لکھ آئے ہیں کہ قرآن کریم میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں انبیائے کرام نے اپنی غلطیوں اور تکالیف کو شیطان سے منسوب کر دیا جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی تکلیف کو شیطان سے منسوب کیا[۳۸:۴۱]۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب اور ان کے بعد بنی اسرائیل کے نبی یوشع بن نون نے اپنے بھولنے کو شیطان سے منسوب کیا[۱۸:۶۳] ۔ اسی طرح حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کی خطاؤں کو شیطان کی خطا کہا اور انہیں معاف کر دیا [۱۲:۱۰۰]۔

یہاں قرآن نے بائبل کی عبارت کی تصحیح کر دی ہے، بائبل میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ قتل جان بوجھ باقاعدہ اِدھر اُدھر دیکھ کر کیا تھا۔ قرآن کے مطابق یہ قتل حادثاتی طور پر ہوا۔ بائبل کی کتاب خُروج کے باب 2 کی آیت 13 میں ہے کہ

"پھر اُس نے اِدھر اُدھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اُس مصری کو جان سے مار کر اُسے ریت میں چھپادیا"

کچھ جدید مفسران، جن میں معلوم نہیں پہل کس نے کی اس آیت کے الفاظ کے لفظی معانی اس طرح سے لے کر موسیٰ کا قاتل نہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔

"مثلاً یقتتلانِ (لفظی معنیٰ لڑنا جھگڑنا) فاستغاثہ الذی (استغاثہ کرنا) فوکزہ (دھکا دے کر الگ کرنا) قضی علیہ (کسی کے خلاف فیصلہ سنانا) ان لفظی معانی کے ساتھ پوری آیت کا ترجمہ دیکھیں،"

جدید ترجمہ

> "اور موسیٰؑ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سورہے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک تو ان کی برادری میں کا تھا اور دوسرا مخالفین میں سے تھا سو وہ جو ان کی برادری کے تھا اس نے موسیٰؑ سے استغاثہ کیا تو موسیٰ نے (پہلے) ان کو دھکا مار کر الگ کیا اور پھر اُن میں سے ایک کے خلاف فیصلہ سنایا اور کہا، یہ تم جو (لڑائی) کر رہے ہو یہ شیطانی عمل ہے۔"

اس کی جدید تشریح اس طرح سے ملتی ہے کہ

"بس!!!!!!! قتل کہاں ہے؟ **ان آیات سے آگے بھی بات بڑھتی ہے اور دو تین رکوع تک جاتی ہے** اور ہر کہیں لفظی معانی کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ موسیٰ نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ موسیٰ کو قتل کرنے کی سازش بادشاہ نے تیار کی تھی اور اس سلسلہ میں موسیٰ پر قتل کا الزام دھرنا چاہتا تھا کیونکہ موسیٰ فرعون کے دربار میں بارسوخ تھا اس لیے بلا الزام موسیٰ کو پھانسی پر لٹکانا فرعون کے بس کی بات نہ تھی۔"

جواب:

یہ محترم بھائی دو تین رکوع آگے تک جا رہے ہیں، اگر ایک لمحے کے لیے اس سے اگلی آیت پر ہی ذرا دیر رک کر غور کر لیتے تو ان پر ظاہر ہو جاتا کہ معاملہ کسی اور کے شیطانی کام کا نہیں، بلکہ ان سے سرزد ایک غلطی کا ہی ہے۔ اس کے علاوہ ہم آگے اور بہت سی آیت میں دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی دفعہ خود اقبال جرم کرتے ہوئے اس کو قتل نادانستہ قرار دیتے ہیں۔ اگر بات صرف مصری کے خلاف فیصلہ سنانے کی ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خود اس معاملے کو بہت سی آیت میں قبول کرتے ہوئے غلطی کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اگر فیصلے کی بات تھی تو کیا اُن کا فیصلہ غلط تھا جس کی وجہ سے اُن کو توبہ کرنی پڑ رہی ہے۔ فوکزہ کا مطلب مکہ مارنا بھی ہوتا ہے اور دھکا دینا بھی، دھکا دے کر الگ کرنا نہیں۔ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہاں مکہ مارنا ہی ہو گا۔ قضی کا مطلب کام تمام کرنا، قضا یا موت ہی ہوتا ہے [۳۵:۳۶] ، کسی کے خلاف فیصلہ سنانا نہیں۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی بھی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس قتل کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شفاعت کا حق نہ دیں گے۔

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُۥ ۚ حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ [۳۴:۲۳]

”اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی بجز اُس شخص کے جس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو حتیٰ کہ جب لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو گی تو وہ (سفارش کرنے والوں سے) پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب ملا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے“

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہیں گے شفاعت کا حق دیں گے، نبی اور غیر نبی دونوں اس میں شامل ہیں۔

شفاعت ہر کسی کی نہیں ہو سکتی، انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ جس کی چاہیے شفاعت کی اجازت دیں۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ [۲۱:۲۸]

جو کچھ اُن کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اُن سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ باخبر ہے وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو، اور وہ اس کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام جلالی طبیعت کے مالک تھے۔ اسی جلالی کیفیت میں انہیں غصہ آیا اور انہوں مکہ مار دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بعد میں ایک دفعہ اور بھی جلالی کیفیت میں ایک غلطی ہوئی تھی۔ جب وہ پہاڑ پر سے احکامات لے کر واپس آئے تو دیکھا کہ بنی اسرائیل بچھڑے کی پوجا کر رہی ہے۔ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی اس کا ذمہ دار سمجھا اور اُنہیں بھی مارنے لگے، حالانکہ انہیں پہلے حضرت ہارون علیہ السلام سے وضاحت طلب کرنی چاہیے تھی۔

قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۖ إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي [۲۰:۹۴]

”کہا اے میری ماں کے بیٹے میری داڑھی اور اور سر نہ پکڑ بیشک میں ڈرا اس سے کہ تو کہے گا تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میرے فیصلہ کا انتظار نہ کیا“

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا یہ قتل خطا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے معاف کرنے کا اختیار تھا، اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، جس کا ذکر اگلی آیات میں بھی آیا ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ [۲۸:۱۶]

"عرض کی، اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے تو رب نے اسے بخش دیا، بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے"

جدت پسندوں کے مطابق اگر قتل نہیں کیا بلکہ صرف دوسرے لوگوں کا فیصلہ کرایا تو یہاں وہ کس چیز کو خود پر ظلم کرنا کہہ رہے ہیں۔ ظلم کرنا بھی خود پر نہ کہ دوسروں پر۔ جدید پسندوں کے مطابق جو فیصلہ کیا گیا، کیا وہ شیطانی تھا یا غلط تھا جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام معافی مانگ رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے اسی طرح تقریباً انہی الفاظ میں توبہ کی جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تھا کہ

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ [۷:۲۳]

"دونوں نے عرض کی، اے رب ہمارے! ہم نے اپنا آپ بُرا کیا، تو اگر تُو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے"

اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصور معاف کر دیا۔ مگر یہ معافی ان کو ابھی وحی نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے کسی تیسرے شخص کا اس قتل کے بارے میں نہ جاننا ہی اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھا۔ ہو سکتا ہے کہ معافی کے بعد اُن کو سکون آ گیا ہو، کیونکہ آگے ایک آیت میں اللہ تعالیٰ اس غم کے دور کرنے کا ذکر کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ غم فوراً ہی دور ہو گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ بعد میں جب ان پر وحی اور اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کا سلسلہ شروع ہوا ہو تب یہ غم ختم ہوا ہو۔

قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ [۲۸:۱۷]

"عرض کی اے میرے رب جیسا تو نے مجھ پر احسان کیا تو اب ہرگز میں مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا"

کسی تیسرے شخص کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرتے ہوئے نہ دیکھنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا احسان معلوم ہوا۔ اس آیت میں مجرم سے مراد شیطان بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ آئندہ کبھی شیطان کے قابو نہ آؤں گا۔ مجرم سے مراد وہ عبرانی بھی ہو سکتا ہے۔ مرنے والا تو ظاہر ہے کہ مجرم نہیں تھا، اس کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوئی مدد نہیں کی تھی، مدد تو عبرانی کی کی تھی۔ مگر اگلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عبرانی کی مدد کرنی پڑ جاتی ہے، کیونکہ وہ اُن کا راز جانتا تھا۔

فَأَصۡبَحَ فِي ٱلۡمَدِينَةِ خَآئِفٗا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا ٱلَّذِي ٱسۡتَنصَرَهُۥ بِٱلۡأَمۡسِ يَسۡتَصۡرِخُهُۥۚ قَالَ لَهُۥ مُوسَىٰٓ إِنَّكَ لَغَوِيّٞ مُّبِينٞ [۲۸:۱۸]

"تو صبح کی، اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے جبھی دیکھا کہ وہ جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی فریاد کر رہا ہے موسیٰ نے اس سے فرمایا بیشک تو کھلا گمراہ ہے"

اگلے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ڈرتے شہر میں گئے کہ کہیں کسی کو اس قتل کا پتہ تو نہیں چل گیا۔

یہاں بھی قرآن نے بائبل کی تصحیح کی ہے کہ لڑنے والے دونوں آدمی اسرائیلی نہیں بلکہ ایک اسرائیلی دوسرا مصری تھا۔ بائبل کی کتاب خُروج کے باب 2 کی آیت 14 میں ہے کہ

"پھر دوسرے دن وُہ باہر گیا اور دیکھا **دو عبرانی** آپس میں مارپیٹ کر رہے ہیں۔ تب اُس نے اُسے جس کا قصور تھا کہا کہ تو اپنے ساتھی کو کیوں مارتا ہے؟"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھلا گمراہ عبرانی کو ہی کہا تھا۔ دو دفعہ جھگڑا ہوا دونوں دفعہ ایک فریق وہ عبرانی ہی تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غالب گمان بھی یہی تھا کہ قصور عبرانی کا ہی ہے، یہی جھگڑا مول لیتا پھرتا ہے۔

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَن يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِن تُرِيدُ إِلَّا أَن تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَن تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ [۲۸:۱۹]

"توجب موسیٰ نے چاہا کہ اس پر گرفت کرے جو ان دونوں کا دشمن ہے وہ بولا اے موسیٰ کیا تم مجھے ویسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا، تم تو یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح کرنا نہیں چاہتے"

میرے خیال میں اس آیت کی تفسیر کچھ اس طرح ہے کہ اگلے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ قصور عبرانی کا ہے مگر پھر بھی اس کی مدد کرنی ضروری تھی۔ مدد کرنے کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ وہ عبرانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جرم جانتا تھا۔ اگر وہ مدد نہ کرتے تو عبرانی بھانڈہ پھوڑ دیتا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ عبرانی تھا تو بنی اسرائیل کے گروہ سے، اسی لیے وہ مصری ان دونوں کا دشمن ہوا۔

جیسے قرآن کریم میں آیا ہے کہ انبیاء علیہ السلام ایک گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔

وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ [۳۷:۸۳]

اور بیشک اسی کے گروہ سے ابراہیم ہے

اور بنی اسرائیل بھی ایک گروہ ہی تھے۔ اس وجہ سے بھی اُس کی مدد ضروری تھی۔ حالانکہ وہ پہلے کہہ چکے تھے کہ مجرموں کی مدد کریں گے مگر یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف اتنی مدد کرنا چاہتے تھے کہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے بس، ورنہ مکے کا انجام اُن کو بھی معلوم تھا۔ اسی لیے انہوں نے اسرائیلی کو ڈانٹا تھا، جس کی وجہ سے ایک بندہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسے ہی اُس مصری کو ہٹانا چاہا تو وہ مصری بول پڑا کہ اے موسیٰ کیا تم مجھے ویسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا، تم تو یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح کرنا نہیں چاہتے۔ بعض لوگوں کے مطابق یہ بات اسرائیلی نے غلط فہمی میں کہی تھی۔ مگر میرے خیال میں یہ مصری ہی نے کہا تھا۔ اسرائیلی ایک

دن پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ایک جھگڑے سے نکل چکا تھا اس لیے لگتا ہے کہ اس اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے دوسرے دن اس مصری کو دھمکی دے دی ہو گی اور بتا دیا ہو گا کہ جیسا حشر کل ایک مصری کا کیا تھا ویسا ہی موسیٰ تمہارا کرے گا۔ یہ الفاظ کسی صورت اسرائیلی کے نہیں لگتے کہ تم تو یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح کرنا نہیں چاہتے۔ بنی اسرائیل کے لیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی بہت مشفق تھے۔ اُن کی بنی اسرائیل کی حمایت کی وجہ سے ہی مصری نے کہا کہ اصلاح کرنا نہیں چاہتے، یعنی جو جھگڑا کرتا ہے اس کو کچھ نہیں کہتے بلکہ مصری کو ہی مار ڈالتے ہو، قانون کی مدد نہیں کرتے وغیرہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی پوزیشن کا فائدہ نبی اسرائیل کے لیے اٹھاتے تھے اس لیے انہیں سخت گیر کہا گیا۔ یہیں سے یہ بات شہر میں پھیل گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے بعد محل واپس نہیں گئے۔

اس مصری کو اگر اسرائیلی کے ذریعے کل والے قتل کا پتہ نہ بھی چلا ہو پھر بھی لگتا ہے کہ یہ بات پہلے پھیل چکی تھی اور وہ مصری کل والے قتل کو جانتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مکالمہ کرنے والا کہ تم تو یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر بنو اور اصلاح کرنا نہیں چاہتے، مصری تھا نہ کہ اسرائیلی۔ اسرائیلی تو ویسے ہی اُن کو اصلاح کا نہیں کہہ سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈانٹ کر اسے پہلے ہی قصور وار ثابت کر دیا تھا اور اسے بھی پتا تھا کہ قصور اس کا ہی ہے۔

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ [۲۸:۲۰]

"اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا آیا، کہا اے موسیٰ! بیشک دربار والے آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تو نکل جائیے میں آپ کا خیر خواہ ہوں"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دوسرے جھگڑے کے بعد شہر میں کسی جگہ موجود رہے اور واپس محل نہ گئے۔ محل کے حالات سے آگاہی کے لیے کسی دوست کو محل میں بھیجا کہ دیکھیں فرعون کا کیا ردعمل ہے۔ اس دوست نے بھی واپس

آ کر اُن کو یہی مشورہ دیا کہ آپ فی الحال مصر سے چلیں ہی جائیں تو بہتر ہے۔ اس وقت تو مقدمے کی کاروائی کے لیے بات ہو رہی ہے۔ بعد میں جب حالات بہتر ہوں تو واپس آ جایئے گا۔ لگتا ہے کہ مرنے والا مصری بھی اثر و رسوخ رکھتا ہو گا۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ [۲۸:۲۱]

”تو اس شہر سے نکلا ڈرتا ہوا اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے عرض کی، اے میرے رب! مجھے ستمگاروں سے بچا لے“

اس آیت سے کچھ جدت پسند یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر موسیٰؑ نے قتل کیا ہوتا تو وہ یہ نہ کہتے کہ مجھے اس ظالم قوم سے محفوظ رکھ۔ وہ کہتے کہ ظلم تو میں نے کیا ہے، مگر مجھے ان سے نجات دے۔ قاتل کو سزا ملنا تو عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

جی بالکل قاتل کو سزا ملنا عدل و انصاف ہے مگر اللہ تعالیٰ اس قتل کو اُن سے معاف کر چکے ہیں (چاہے بعد میں)۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے عام فرد تھے، نبی نہ تھے، اس وقت انہوں نے جان بچانی تھی نہ کہ دربار میں جا کر اپنا جرم قبول کرنا تھا۔ جس طرح ایک عام اسرائیلی سزا کے خوف سے بھاگ سکتا تھا اسی طرح یہ بھی بھاگ گئے۔ یاد رہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے طویٰ کے میدان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزے دیئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام لاٹھی کو سانپ بنتا دیکھ کر بھاگ نکلے [۲۷:۱۰]، بالکل عام انسان کی طرح۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کو ظالمین اس لیے کہا کہ اُن کو فرعون کے مظالم کا پتہ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے واقعات اور فرعون کے دوسرے مظالم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یاد تھے۔ فرعون کو ظالم صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے نہیں بلکہ فرعون کی بیوی آسیہ نے بھی کہا تھا۔

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ [۶۶:۱۱]

"اور اللہ مسلمانوں کی مثال بیان فرماتا ہے فرعون کی بی بی جب اس نے عرض کی، اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات بخش۔"

فرعون بے انصاف تھا، جس نے بنی اسرائیل کے بچے نہیں بخشے وہ کیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بخش دیتا۔ اگر باقاعدہ قانون کے مطابق فرعون مقدمے کو دیکھنے والا ہوتا تو شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام انصاف کے لیے چلے بھی جاتے کہ شاید حادثاتی قتل میں کم سزا دے، مگر فرعون تو تھا ہی ظالموں سے، اس لیے وہاں سے نکل لینا ہی بہتر تھا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ [۲۸:۳۳]

"عرض کی اے میرے رب! میں نے ان میں ایک جان مار ڈالی ہے تو ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں"

یہاں اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے مکے سے حادثاتی طور پر ہونے والے قتل کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اگر یہاں لفظی مطلب لڑائی جھگڑا کیا جائے تو پھر اس آیت کا مطلب یہ بنے گا کہ میں نے اُن میں سے ایک شخص سے جھگڑا کیا تھا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ بھی مجھ سے جھگڑا کریں گے۔ اگر جدت پسند لفظی ترجمہ کرتے ہوئے اپنی پسند کا لفظی ترجمہ آیت پر فٹ کریں تو پھر ایک آیت کا ترجمہ کر کے من پسند نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں مگر اسی طرح کی دوسری آیات میں ان الفاظ کو فٹ کریں گے تو قرآن میں تضاد بھی آئے اور حالات و واقعات بھی منطقی نہ رہیں گے۔ یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا جرم قتل ہی مان رہے ہیں۔ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اقبال جرم ہے۔ قتل بے شک خطا سے ہوا مگر ہوا ضرور تھا۔ نبوت سے پہلے ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بحیثیت انسان ہوا تھا بحیثیت نبی نہیں، اور انسان تو ویسے ہی خطا کا پتلا ہے۔ اسی بات کا ذکر سورۃ شعرا کی آیت 14 میں بھی ہے۔

قتل کا مطلب جان سے مارنا ہوتا ہے اور قتال اس جھگڑے کو کہتے ہیں جس میں ایک فریق دوسرے کا جان سے مارنا چاہیے، یہاں تک کہ دوسرا شرائط مان کر مطیع ہو جائے۔

حضرت موسیٰؑ کے گھونسے سے ایک قبطی کی اتفاقی ہلاکت   از محمد امین اکبر / محمد شعیب

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ [۲۰:۴۰]

”تیری بہن چلی پھر کہا کیا میں تمہیں وہ لوگ بتادوں جو اس بچہ کی پرورش کریں تو ہم تجھے تیری ماں کے پاس پھیر لائے کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کرے اور تو نے ایک جان کو قتل کیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور تجھے خوب جانچ لیا تو تو کئی برس مدین والوں میں رہا پھر تو ایک ٹھہرائے وعدہ پر حاضر ہوا اے موسیٰ!“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے بچپن کے واقعات بتلائے جارہے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر اپنے گھر میں اپنی اصل والدہ کے پاس پرورش پائیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی غلطی یاد کرا رہے ہیں کہ انہوں نے تو ایک شخص کو قتل کر دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو غم سے نجات دی۔ یہ نجات مصر سے نکل کر مدین آنے کو بھی کہا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اُس گناہ کو معاف کرنے کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ مدین میں بھی اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے لیے تیار کرتے رہے۔ اگر اس آیت میں قَتَلْتَ نَفْسًا سے مراد ایک جان کو قتل کی بجائے ایک شخص سے جھگڑا کیا جائے تو اس میں غم والی کونسی بات ہے؟ یہ تو عام زندگی کا حصہ ہے۔ اس کو معاف کرنے میں یا بھلانے میں کیا احسان؟ یہاں قَتَلْتَ نَفْسًا سے مراد انسان کا قتل ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے قتل کے واقعے کی تصدیق ہے، نیز یہ بتلانا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس واقعے سے باخبر ہیں۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ [۲۶:۱۴]

”اور مجھ پر اُن کے ہاں ایک جرم بھی ہے، اس لیے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے“

اس آیت میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا جرم قبول کر رہے ہیں۔ یہ جرم وہی ہے جس کا تذکرہ سورۃ القصص کی آیت 33 میں بھی مذکور ہے کہ اُن سے ایک قتل ہو گیا تھا اور اُن کو خوف ہے کہ مصری اُن کو قتل نہ کر دیں۔ بعض لوگوں کے مطابق فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف قتل کی سازش کی تھی۔ اگر ایسا تھا تو یہاں انہیں اس سازش کا ذکر کرنا چاہتے تھا وہ اس وجہ سے مجھے مار نہ دیں، مگر وہ تو کہہ رہے ہیں کہ میرا ہی جرم تھا جس کی وجہ سے وہ مجھے مار نہ دیں۔

قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ [۲٦:١٥]

"فرمایا" ہر گز نہیں، تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر، ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ بے فکر ہو کر اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے دونوں معجزے لے کر فرعون کے پاس چلیں جائیں، اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے۔ یہی بات بائبل میں اس طرح ہے۔

"خرُوج: باب 4 : 19۔ اور خداوند نے مدیان میں موسیٰ سے کہا کہ مصر کو لوٹ جا کیونکہ وُہ سب جو تیری جان کے خواہاں تھے مر گئے۔"

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ [۲٦:١٨]

"فرعون نے کہا" کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر فرعون اُن کو اپنے احسان یاد کرا رہا ہے۔ ظاہر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش دودھ پینے کے عمر تک بے شک اُن کے اپنے گھر میں ہوئی تھی، مگر اس کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں سے بے خبر نہ رہے تھے۔ اس پرورش کے تمام اخراجات فرعون ادا کرتا تھا اس لیے پرورش کو خود سے منسوب کر رہا ہے۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ [۲٦:١٩]

"اور اس کے بعد کر گیا جو کچھ کہ کر گیا، تو بڑا احسان فراموش آدمی ہے"

یہاں فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ قتل والا واقعہ ہی یاد کرا رہا ہے۔ احسان فراموش اس تناظر میں کہہ رہا ہے کہ بچپن میں ہم نے پالا اور ہماری ہی قوم کے بندے کو مار دیا اور اب حمایت بنی اسرائیل کی کر رہے ہو۔

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ [۲۶:۲۰]

ترجمہ: (موسٰی علیہ السلام نے) فرمایا: جب میں نے وہ کام کیا میں بے خبر تھا (کہ کیا ایک گھونسے سے اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے)، (طاہر القادری)

ترجمہ: موسیٰؑ نے جواب دیا "اُس وقت وہ کام میں نے نادانستگی میں کر دیا تھا (مودودی)

یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے اپنے اس فعل کی وضاحت کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ جو کچھ بھی ہوا تھا نادانستگی میں ہوا تھا۔ اگر جدت پسندوں کے من پسند لفظی ترجمے کو مانا جائے تو یہ آیت اس سے متصادم ہو جاتی ہے۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فیصلہ کیا وہ نادانستگی میں کیا؟ نہیں یہ فیصلہ نہیں بلکہ قتل سے متعلق ہے۔ اگر سازش کی بات ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہنا چاہیے تھا کہ میرا تو کوئی قصور نہیں آپ ہی سازش کر رہے تھے۔ یہاں تو وہ کھل کر کہہ سکتے تھے، اب تو اللہ تعالیٰ بھی اُن کے ساتھ تھے، اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بھی اُن کے ساتھ تھی۔ مگر نہیں یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا جرم ہی قبول کر کے اسے خطا کہہ رہے ہیں۔

فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ [۲۶:۲۱]

"پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا اس کے بعد میرے رب نے مجھ کو حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں شامل کر لیا۔"

اس آیت میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ وہ جرم کے بدلے فرعون کی سزا کے خوف سے بھاگے تھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب نبوت عطا کیا اور وہ حکم الہٰی بجالاتے ہوئے واپس اپنے رشتے داروں میں جانے کی بجائے فرعون کے دربار میں ان کو تبلیغ کرنے آ گئے۔

ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بحیثیت ایک انسان ایک خطا ہو گئی تھی جس کے نتیجے میں ایک آدمی کی جان چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکا جرم معاف کر دیا۔ ان کو منصب نبوت عطا کیا اور انسانوں کے سب سے اعلیٰ گروہ یعنی انبیاء میں شامل کر لیا۔ اس قتل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مرتبے میں کوئی کمی نہیں آئی۔ نبی انسان ہی ہوتا ہے، عام انسان اور نبی میں فرق صرف وحی کا ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا [۳۳:۶۹]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے موسیٰؑ کو اذیتیں دی تھیں، پھر اللہ نے اُن کی بنائی ہوئی باتوں سے اُس کی برأت فرمائی اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھا۔"

اس آیت کے حوالے سے قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نامردانگی کا طعنہ دیا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن پر سے معجزاتی طور پر اتار دیا۔ یہ واقعہ اس لیے غلط لگتا ہے کہ یہودیوں کی مقدس کتاب بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اولاد بھی تھی۔

کچھ جدت پسند اس آیت سے مراد لیتے ہیں جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قاتل سمجھتے ہیں وہ انہیں دکھ دیتے ہیں۔ قتل کا الزام اللہ تعالیٰ نے اُن پر سے اتارا ہے۔ قتل کے حوالے سے ہم نے بہت سی آیات میں دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے بھی اس کا اعتراف کرتے رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دکھ یا تکلیف بنی اسرائیل دیتے رہے ہیں وہ بھی قرآن کریم میں ہی مذکور ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ ۖ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ [٦١:٥]

"اور یاد کرو موسیٰؑ کی وہ بات جو اس نے اپنی قوم سے کہی تھی "اے میری قوم کے لوگو، تم کیوں مجھے اذیت دیتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں؟" پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے، اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اس آیت میں صاف پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح اذیت دیتے تھے کہ ان کی رسالت میں شک کرتے، ان کی طرف سے دیئے گئے احکامات پر عمل نہ کرتے۔ اس بات کی تصدیق سورۃ صف کی اگلی آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ اُن کے احکامات نہ مانے۔ نبی کریم ﷺ کی آمد کی بشارت مل جانے کے باوجود آپ ﷺ کا انکار کیا۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ [٦١:٦]

"اور یاد کرو عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اُس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہو گا مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے۔"

اس حوالے سے بائبل میں بھی بہت کچھ درج ہے

”خرُوج: باب 5: 20۔ جب وہ فرعون کے پاس سے نکلے آرہے تھے تو اُن کو موسیٰ اور ہارون ملاقات کے لیے راستے پر کھڑے ملے۔ 21۔ تب اُنھوں نے اُن سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے کیونکہ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھنونا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے اُن کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے۔“

خرُوج: باب 14: 11۔ اور موسیٰ سے کہنے لگے کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو وہاں سے مرنے کے لیے بیابان میں لے آیا؟ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا؟ 12۔ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔“

اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کتاب لینے کوہ طور پر گئے تو بنی اسرائیل نے بچھڑے کو خدا بنا کر پوجنا شروع کر دیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دیا۔ قارون نے اپنا گروپ بنالیا اور نافرمانیاں کرنے لگا۔ صحرا میں پانی کی کمی ہوئی تو بنی اسرائیل نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طعنوں کی بوچھاڑ کر دی کہ مصر میں کیا قبروں کی کمی تھی جو پیاس سے مروانے ہمیں یہاں لے آیا۔ خوراک کے معاملے میں پہلے کہتے تھے ہم کو مصر کی مچھلی یاد آتی ہے جو بھونتے تھے۔ جب اُن کو من و سلویٰ ملنے لگا تو پھر کہنے لگے کہ ہمیں تو مصر کی ککڑی، لہسن اور پیاز کی یاد آتی ہے۔ جہاد کے لیے بنی اسرائیل کو کہا گیا تو انھوں نے کہا کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بائبل کی کتاب استثنا باب 9 میں ہے کہ اس بات کو یاد رکھ اور کبھی نہ بھول کہ تو نے خداوند اپنے خدا کو بیابان میں کس کس طرح غصہ دلایا بلکہ جب سے تم ملک مصر سے نکلے ہو تب سے اس جگہ پہنچنے تک تم برابر خداوند سے بغاوت ہی کرتے رہے۔

پوری توریت ہی بنی اسرائیل کی ہٹ دھرمیوں سے بھری پڑی ہے۔ سورۃ احزاب کی آیت 69 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے جس اذیت کا ذکر ہے وہ رسالت اور احکامات الہیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ہر مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے بنی اسرائیل کی مشکلات دور کی۔ کھانے کو من و سلویٰ، پینے کو 12 چشمے اور نہ

جانے کیا کیا بنی اسرائیل کو بخشا۔ مگر اس کے باوجود وہ ہٹ دھرم ہی رہے اور رسالت کے معاملے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دیتے رہے۔ اس آیت کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل والے واقعے سے کوئی تعلق نہیں۔

چند مزید آیات

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ [۵۸:۱۹]

"ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے پس اس نے انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے یہی شیطان کا گروہ ہے خبر دار بے شک شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔"

پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، بعد میں شیطان کے وسوسے اور چالوں سے اللہ تعالیٰ کا ذکر چھوڑ دیا۔ پہلے مخلص بندے تھے، بعد میں غافل ہو گئے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ [۷:۱۷۵]

"اور انہیں اس شخص کا حال سنا دے جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں پھر وہ ان سے نکل گیا پھر اس کے پیچھے شیطان لگا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا"

پہلے مخلص بندوں سے تھا، اللہ کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو شیطان پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں شامل ہو گیا۔

قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ [۱۲:۵]

"کہا اے بیٹا اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان مت کرنا وہ تیرے لیے کوئی نہ کوئی فریب بنا دیں گے شیطان انسان کا صریح دشمن ہے"

شیطان کے وار سے انبیاء زادے بھی محفوظ نہیں۔اس کے پھیلائے شر سے نبی کو بھی تکلیف ہو سکتی ہے۔اسی سورت کی آیت 100 میں حضرت یوسف نے بھائیوں کی خطا کو شیطان سے ہی منسوب کیا۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ [٨:١١]

"جس وقت اس نے تم پر اپنی طرف سے تسکین کے لیے اونگھ ڈال دی اور تم پر آسمان سے پانی اتارا تا کہ اس سے تمہیں پاک کر دے اور شیطان کی نجاست تم سے دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے قدم جما دے"

جنگ میں ہار کے وسوسوں کو شیطان کی نجاست کہا۔ اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی تو مسلمانوں کی طرف کی زمین بارش کے پانی سے ٹھیک ہو گئی اور کفار کی طرف کیچڑ سا بن گیا۔ بارش کے ذریعے شیطان کے اس وسوسے کو دور کیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆